Majallah-yi Talim o Tahqiq
مجلہ تعلیم و تحقیق
Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem, Sector H-15, Islamabad, Pakistan
مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان
ISSN (P): 2618-1355, ISSN (Online): 2618-1363
Issue 3, Vol 6 ,July-September,2024
شمارہ ۳، جلد ۶، جولائی۔ ستمبر، ۲۰۲۴

وحید الدین خان اور جاوید احمد غامدی کا جھاد اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات سے متعلق منفرد آراء کا تجزیاتی مطالعہ

Jihad and Relationships with Non-Muslim Communities: An Analytical Study of the Views of Wahid Uddin Khan and Javed Ahmad Ghamidi

عبدالحی[1]

Keywords:
Jihad, Ghamidi, Non-Muslim, Relationships, WahidUddin Khan

Abstract:
This study critically examines the differing views of Maulana Wahid Uddin Khan and Javed Ahmad Ghamidi regarding jihad and relationships with non-Muslims. Their perspectives have sparked considerable scholarly debate, as they deviate from traditional Islamic teachings and the consensus of classical scholars. The primary aim of this research is to analyse their viewpoints in the context of the Qur'an, Sunnah, and historical practices, assessing their influence on the understanding of Islamic principles.

By exploring these opinions, the study highlights how they may contribute to misconceptions about jihad and interfaith relations. It underscores the necessity of adhering to traditional teachings to address modern ideological challenges effectively. Ultimately, this research seeks to provide clarity on the topic and encourage a balanced understanding of jihad that aligns with established Islamic principles. Through this analysis, it aims to foster dialogue and reflection on the role of jihad in contemporary society, promoting peaceful coexistence while remaining true to Islamic teachings.

[1] ۔ فاضل دارالعلوم تعلیم القرآن سخاکوٹ

تعارف

عصر حاضر میں جاوید احمد غامدی صاحب اور مولانا وحید الدین خان صاحب کی فکر میں کئی ایسے پہلو ملتے ہیں جن کے بارے میں اہل علم کی جانب سے ان پر تنقید کا سلسلہ جاری ہے۔ان کی تمام آراء کے بجائے میں نے اس مقالے میں ان کی جہاد اسلامی اور غیر مسلموں سے تعلقات سے متعلق آراء کو موضوع بحث بنایا ہے۔اس موضوع کے تحت میں نے کوشش کی ہے کہ قرآن وسنت، سیرت طیبہ، سیرت صحابہ،اور اسلاف کے طرز عمل کی روشنی میں جاوید احمد غامدی اور مولانا وحید الدین خان کی آراء کا جائزہ لیا جائے کہ انکی آراء شریعت کے مسلّمہ مصادر اور مسلمانوں کے مجموعی تعامل سے کس قدر مختلف ہیں اور ان کی منفرد آراء کی وجہ سے مسلمان اور دین سے متعلق رہنمائی کے طالب عام لوگ اسلام کے حقیقی اصولوں کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں۔

مسلمانوں میں جب تک اس قرآنی دعوت پر عمل کی روایت برقرار رہی امامت، عدالت، شجاعت اور صداقت ان کے سروں کا تاج بنی رہیں۔ لیکن حقیقی مسلمان وہ ہے جو ساری زندگی جھوٹ، منافقت، دجل وفریب اور جہالت کے خاتمہ کے لیے ابلیسی قوتوں سے مصروفِ جہاد رہتا ہے۔ کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے طاغوتی نظام اور ان کے آلہ کاروں اور فتنوں کے خلاف باقاعدہ جہاد کیا ہے اور ہر وقت ان فتنوں کی سرکوبی اور ایسے فتنوں کو ختم کرنے کے لیے اپنے اصحاب کی مختلف اوقات میں تعلیم وتربیت کرتے رہے۔اس طرح مسلمانوں پر بھی یہ لازم ہے کہ اپنے آقا محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کی یہ سنت زندہ رکھنے کے لیے اور ہمیشہ دنیا میں باقی رہنے کے لیے اپنے جان ومال خرچ کرتے ہوئے ان فتنوں سے مقابلہ کرتے رہیں تاکہ اسلام کا بول بالا رہے اور قرآن مقدس میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "حق آگیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل مٹنے والا ہے "اس آیت کو عملی جامہ پہنائیں اور اسکے مصداق بنیں۔ خواہ وہ فتنے غیروں کی شکل میں ہوں جیسے کفار وغیرہ یا اپنوں کی شکل میں ہوں جسطرح دور حاضر میں بڑا نام نہاد فتنہ روشن خیالی اور الحادی فکر کا ہے۔دور حاضر میں اس فکر کے نمائندہ مشہور دانشور جاوید احمد غامدی صاحب اور مولانا وحید الدین خان ہیں۔

جاوید احمد غامدی کا تعارف

جاوید احمد غامدی کی پیدائش 18 اپریل 1951ء کو ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں جیون شاہ کے نواح میں ہوئی۔ آبائی گاؤں ضلع سیالکوٹ کا ایک قصبہ اور آبائی پیشہ زمینداری ہے۔ابتدائی تعلیم پاک پتن اور اس کے نواحی دیہات میں پائی۔اسلامیہ ہائی اسکول پاک پتن سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور اس کے ساتھ انگریزی ادبیات میں آنرز (حصہ اول) کا امتحان پاس کیا۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم ضلع ساہیوال ہی کے ایک گاؤں نانگ پال میں مولوی نور احمد صاحب سے حاصل کی۔دینی علوم قدیم طریقے کے مطابق مختلف اساتذہ سے پڑھے۔نویں کلاس تک آپ نے درس نظامی کی تمام کتب پڑھ لیں۔اسی اثناء میں انہیں مولانا مودودی کی فکر سے آگاہی ہوئی اور لاہور میں اسلامی جمعیت طلبہ کے سالانہ اجتماع میں مولانا سے ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں مولانا مودودی سے تعلیم بھی حاصل کی۔دسویں کلاس کے بعد پاک و ہند کی عظیم درسگاہ ''گورنمنٹ کالج لاہور'' میں ان کا داخلہ ہوگیا۔وہاں سے انہوں نے انٹرمیڈیٹ،بی۔اے آنرز (انگلش ادب میں) کیا۔بی۔اے کے امتحان کا سال تھا کہ جاوید احمد غامدی اس سال حمید الدین فراہی کی تحریروں سے روشناس ہوئے۔اس کے بعد فراہی صاحب کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی سے زانوئے تلمذ طے کیا۔ محترم غامدی صاحب کی فکر کو جدید تعلیم یافتہ میں رفتہ رفتہ پذیرائی مل رہی ہے۔موصوف متعدد کتابوں اور رسالوں کے مصنف اور نگرانی کر رہے ہیں۔ جس میں ماہنامہ اشراق،البرہان،المیزان اور البیان وغیرہ شامل ہیں۔جو کہ المورد سے شائع ہوتی ہیں۔ان کی ماہنامہ "اشراق "ان کے فکری خیالات کی نشرواشاعت کا ذریعہ ہے۔سوشل میڈیا پر ان کی تقاریر اور لیکچرز موجود ہیں۔

مولانا وحید الدین خان کا تعارف

مولانا وحید الدین خان یکم جنوری 1925ء کو پیدا ہوئے۔ان کی پیدائش اتر پردیش بھارت کے ایک قصبہ اعظم گڑھ میں ہوئی۔چار یا چھ سال کی عمر میں ہی ان کے والد محترم ،فرید الدین خان، وفات پاگئے۔ان کی والدہ 'زیب النساء خاتون' نے ان کی پرورش کی اور انکے چچا صوفی عبدالحمید خان نے ان کی تعلیم کی ذمہ داری اٹھائی۔ خان صاحب کا کہنا ہے کہ بچپن کی یتیمی نے ان میں مسائل سے جان چھڑانے کی بجائے ان کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا۔انہوں نے ابتدائی تعلیم مدرسۃ الاصلاح 'سرائے میر اعظم گڑھ سے ہی حاصل کی۔ 1937ء میں اس مدرسہ میں داخلہ لیا اور 1944ء میں چھ سال بعد انہوں نے یہاں سے اپنی مذہبی تعلیم مکمل کرلی۔اس کے بعد ان کے بڑے بھائی نے انہیں کاروبار میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ انہیں ابھی انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کرنی ہے۔اس مقصد کے لیے انہوں نے لائبریری جا کر سائنس اور جدید علوم کی کتب کا مطالعہ شروع کیا۔کچھ عرصہ بعد خان صاحب نے محسوس کیا کہ انہوں نے مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ جدید علوم کا بھی کافی مطالعہ کر لیا ہے تو انہوں نے دینی علوم کو زمانہ حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ان کی تحریروں میں بین المذاہب مکالمہ اور امن کا بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔ 1955ء میں ان کی پہلی کتاب 'نئے عہد کے دروازے پر' شائع ہوئی۔ یہی کتاب بعد میں انکی معروف کتاب 'مذہب اور جدید چیلنج' کے لیے بنیاد بنی اور اسکا عربی ترجمہ "الاسلام یتحدی" کے نام سے مقبول عام ہو۔ لیکن خان صاحب شروع شروع میں مولانا مودودی کی تحریروں سے متاثر ہوئے اور 1949ء میں جماعت اسلامی ہند میں شامل ہوئے۔کچھ عرصہ میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی بن گئے۔ جماعت اسلامی رسالہ 'زندگی' میں باقاعدگی سے لکھتے رہے۔جماعت اسلامی میں شمولیت کے بعد موانا وحید الدین خان صاحب نے 15 سال کے بعد جماعت اسلامی کو خیر باد کہا جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ ہوگئے لیکن 1975ء میں اسے بھی مکمل طور پر چھوڑ دیا۔

اس کے بعد موصوف نے ذاتی طور پر 1967ء میں اپنے دعوتی کام کا آغاز کیا۔ 1970ء میں نئی دہلی میں ایک اسلامک سنٹر کی ابتداء کی اور 1976 میں 'الرسالہ' کے نام سے ایک اردو رسالہ کا اجرا کیا۔ 1984ء میں ہندی اور 1990ء میں انگریزی میں بھی 'الرسالہ' جاری کیا گیا ۔اردو میں ان کا ترجمہ قرآن اور تشریحی نکات 'تذکیر القرآن' کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ پھر اسکے بعد خان صاحب نے 2001ء میں اپنے نقطہ نظر اور دعوت کے پھیلاؤ کے لیے 'سی پی ایس 'یعنی "سنٹر فار پیس اینڈ سپر چوئیلٹی" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ مولانا وحید الدین خان تقریباً 200 کتب کے مصنف ہیں 'جو عربی' اردو' اور انگریزی زبان میں ہیں۔ان کے معروف کتب میں تذکیر القرآن 'اسلام دور جدید کا خالق 'مذہب اور جدید چیلنج 'پیغمبر انقلاب ﷺ ہیں۔ آخر کار موصوف 21 اپریل 2021 انڈیا میں 96 سال کے عمر میں وفات پاگئے۔ تعارف ذکر کرنے کے بعد دونوں کی اصل مقصد ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ دونوں مسلمانوں کے ذھنوں میں اسلام کے خلاف وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور اسلام کو اپنے طرز طریقے سے پیش کرتے ہیں جو اکثر اھل السنت والجماعت کے خلاف ہیں۔اور قرآن مجید کا اپنے خیالات کے مطابق من مانی تفسیر کرتے ہے۔اور تصور جہاد اور تصور امن کے من گڑھت رائے قائم کیا ہے جو کہ جمہور اہل السنت کے صراحۃ مخالف ہیں۔

جاوید احمد غامدی صاحب اور تصور جہاد

اِسلامی ریاست پُرامن شہریوں کے جان، مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہے۔ فتنہ و فساد، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے خاتمہ، سرکشی و بغاوت کی سرکوبی، ظلم و بربریت، درندگی، ناانصافی، ناحق اِنسانی خونریزی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے خلاف راست اقدام کرنا اِنسانی حقوق کے چارٹر (Charter of Human Rights) کے مطابق نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ اللہ کی زمین ہر قسم کے فتنہ و فساد سے پاک ہو، اَمن بحال ہو اور قیامِ عدل کے لیے راہ ہموار ہو جائے۔ معاشرے کو اَمن و آشتی کا گہوارہ بنانے کے لیے جہاد یعنی قیامِ اَمن اور

اقامتِ حق کے لیے جہدِ مسلسل اور عمل پیہم بجالانا ہر مومن پر فرض ہے۔ جہاد محض جنگ یا دشمن کے ساتھ محاذ آرائی کا نام نہیں بلکہ اسلام نے تصورِ جہاد کو بڑی وسعت اور جامعیت عطا کی ہے۔ انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک اور قومی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک امن و سلامتی، ترویج و اقامتِ حق اور رضاءِ الٰہی کے حصول کے لیے مومن کا اپنی تمام ترجانی، مالی، جسمانی، لسانی اور ذہنی و تخلیقی صلاحیتیں صرف کر دینا جہاد کہلاتا ہے۔

جہاد و قتال ایک اہم فریضہ ہے ایمان لانے کے بعد جہاد افضل وارفع عمل ہے جہاد ایک عظیم عبادت ہے جہاد قرآن کی رو سے فرض ہے۔اور یہ عمل قیامت تک جاری رہے گا اور آپ ﷺ کی اس حدیث کی روشنی میں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "الجهاد ماض الى يوم القيامه"۔ جہاد جتنا اہم عمل ہے اتنا ہی لوگ اس پر اعتراضات کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور سے لیکر دور حاضر تک مختلف فتنے رونما ہوئے ہیں اور اس عمل کو ختم کرنے کی اپنے تیئں کوشش کی ہیں۔ جسطرح موجودہ دور میں مشہور دانشور جاوید احمد غامدی صاحب بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو اس اہم عمل کو ختم کرنے کی تاحال تگودو لگئے ہوئے ہیں۔ جاوید احمد غامدی صاحب جہاد کے متعلق فرماتے ہیں کہ : "اس (جہاد وقتال) کا حکم قرآن میں دو صورتوں کے لیے آیا ہے: ایک، ظلم وعدوان کے خلاف دوسرے، اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف پہلی صورت شریعت کا ابدی حکم ہے۔

دوسری صورت میں اسکا تعلق شریعت سے نہیں، بلک اللہ تعالٰی کے قانون اتمام حجت سے ہے جو اس دنیا میں ہمیشہ اس کے براہ راست حکم سے اور انہی ہستیوں کے ذریعے روبعمل ہوتا ہے جنہیں وہ رسالت کے منصب پر فائز کرتا ہے انسانی تاریخ میں یہ منصب آخری مرتبہ محمد ﷺ کو حاصل ہوا ہے۔اس قانون کی رو سے اللہ کی حجت جب ان رسولوں کے ذریعے سے کسی قوم پر پوری ہو جاتی ہے تو ان کے منکرین پر اسی دنیا میں عذاب آجاتا ہے۔ یہ عذاب آسمان سے بھی آتا ہے اور بعض حالات میں اہل حق کی تلوارارں کے ذریعے سے بھی۔ پھر اس کے نتیجے میں منکرین لازما مغلوب ہو جاتے ہیں اور ان کی سرزمین پر حق کا غلبہ پوری قوت کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد یہی دوسری صورت پیش آئی۔ چنانچہ آپ کو اور آپ کے صحابہ کو جس طرح ظلم وعدوان کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا، اسی طرح اس مقصد کے لیے بھی تلوار اٹھانے کی ہدایت ہوئی۔ یہ خدا کا کام تھا، جو انسان کے ہاتھوں سے انجام پایا۔ اسے ایک سنت الٰہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔ انسانی اخلاقیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ يعذبهم الله بايديكم "اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا" (التوبہ 14) کے الفاظ میں یہی حقیقت بیان ہوئی ہے"[2]

اور اسکے بعد غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ :

2۔ "یہ اللہ کی جنگ ہے جو اس کے بندے، اس کے حکم پر اور اس کی ہدایت کے مطابق "فی سبیل اللہ، یعنی اس کی راہ میں لڑتے ہیں۔ ان کی حیثیت اس جنگ میں محض آلات وجوارح کی ہے۔ اس میں ان کو اپنا کوئی مقصد نہیں، بلکہ خدا کے مقصد پورے کرنا ہوتے ہیں لہذا وہ اپنی اس حیثیت سے سر مو کوئی انحراف نہیں کر سکتے۔"

3۔ "اس قانون (قانون اتمام حجت) کے تحت آپ نے اور آپ کے صحابہ نے کفر کے خلاف جو جنگیں لڑی ہیں، وہ محض جنگیں نہ تھیں، بلکہ خدا کا عذاب تھا جو سنت الٰہی کے عین مطابق اور ایک فیصلہ خداوندی کی حیثیت سے پہلے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ پر اور اس کے بعد جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی بعض قوموں پر نازل کیا گیا۔ آپ پر نبوت ختم کر دی گئی ہے۔ چنانچہ لوگوں کی تکفیر اور ان کے خلاف محض ان کے کفر کی وجہ س جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین کو قتل کرنے یا ان پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق بھی آپ اور آپ کے

2۔ جاوید احمد غامدی، میزان (لاہور: المورد، ۲۰۰۸)، ۵۷۹

صحابہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔"[3]

کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کہ ان آیات میں پوری صراحت کیساتھ بتادیا گیا ہے کہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک یہ دو مقاصد بالکل آخری درجے میں حاصل نہیں ہو جاتے: ایک یہ کہ فتنہ باقی نہ رہے؛ دوسرا یہ کہ سرزمین عرب میں دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے"[4] آگے جہاد کے بارے میں جاوید احمد غامدی صاحب اپنے فکری رسالے 'اشراق' میں لکھتے ہے۔ "نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے بعد غلبہ دین کی خاطر جہاد (بالسیف) ہمیشہ کے لیے ختم (منسوخ ہو چکا) ہے"۔[5] غامدی صاحب کی مذکورہ عبارات سے تین پہلو معلوم ہوتی ہے۔ پہلا یہ کہ: غامدی صاحب کے نزدیک نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رض نے کفار کے خلاف جو جہاد و قتال کیا وہ قانون اتمام حجت کے تحت کیا ہے۔

دوسرا یہ کہ غامدی صاحب کی رائے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ کفار کے خلاف جہاد کریں اور فاتح ہو کر ان کو ذمی بنائیں۔

تیسرا یہ کہ غامدی صاحب کے نزدیک جہاد و قتال منسوخ ہو چکا ہے۔ جسطرح وہ فرماتے ہیں کہ جہاد بالسیف منسوخ ہو چکا ہے۔

اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف جہاد و قتال:

جہاد کی دوسری صورت کے بارے میں غامدی صاحب "اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف جہاد و قتال" کا نام دیتے ہیں۔ غامدی صاحب کی یہ بات بالکل بے بنیاد اور بے دلیل ہے۔ غامدی صاحب کے اس دعوے کا مطلب یہ کہ جب کوئی رسول اپنی امت پر اتمام حجت کر لیتا ہے تو اس کے بعد منکرین حق پر آسمان سے عذاب آتا ہے جس سے ان کی بربادی مقدر رہتی ہے اس وجہ سے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ غامدی صاحب کی اس رائے کے مطابق اھل حق جہاد و قتال کی نیت اور ارادے سے بھی محروم ہوتے ہیں کیونکہ ان کی حثیت اس وقت محض آلات و جوارح کی ہوتی ہے اسلئے کہ جو جہاد کرنے والے ہوتے ہیں ان کو آخرت کے اجر و ثواب کی بھی کوئی امید نہیں ہوتی۔ وہی لوگ جو بلا ارادہ تلوار نیزے اپنے ہاتھوں میں لیکر میدان جنگ میں کود جاتے ہیں اور منکرین حق کے خلاف قہر خداوندی بن کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ اھل حق غالب ہو جاتے ہیں اور منکرین حق (کفار) مغلوب ہو جاتے ہیں۔

پھر غامدی صاحب یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منکرین حق پر اتمام حجت کے بعد یہی صورت پیش آئی۔ لیکن غامدی صاحب کا یہ دعوی اسلامی تاریخی شواہد و واقعات کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ مشرکین قریش پر رسول اللہ ﷺ کا اتمام حجت اس وقت ہو چکا تھا جب آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ فتح مکہ تک "قانون اتمام حجت" کے تحت ان منکرین حق پر آسمان سے کوئی عذاب نازل نہیں ہوا حالانکہ اس تمام عرصہ میں مکہ کے مشرکین مدینہ پر بار بار اپنے لشکر لے کر حملہ آور ہوتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے لیے خطرہ بنتے رہتے۔

دوسرا یہ کہ اگر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا جہاد و قتال اور غزوات کا سلسلہ اصل میں منکرین حق کے لیے اللہ تعالی کا عذاب تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو کسی قسم کا نقصان نہیں اٹھانا پڑتا اسلئے کہ عذاب ان کے لیے نہیں تھا لیکن معتبر واقعات کو دیکھا جائے تو

3۔ المورد، ماہنامہ اشراق (لاہور: المورد، ۲۰۰۹)، ۲.

4۔ غامدی، میزان، ۳۲

5۔ المورد، ماہنامہ اشراق، ۳۸

سینکڑوں صحابہ کرام شہید ہوئے اور بعض کا تو مثلہ بھی کیا گیا اور بڑی تعداد میں زخمی ہوئے کیا اس سے نعوذ باللہ یہ سمجھا جائے گا کہ اللہ نے جس قدر عذاب منکرین حق کے لیے مقدر کر رکھا تھا اس کا ایک بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے لیے بھی مقرر فرمایا؟ نعوذ باللہ، یا کیا پھر اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوئی ہے؟

اِسلام میں جہاد کا مفہوم ان لوگوں کی سرکوبی کرنا ہے جو بناء اَمن کو تباہ و برباد کرنے، اِنسانوں کے آرام و سکون کو ختم کرنے اور اللہ کی زمین میں فساد انگیزی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خصوصاً اُس وقت جب لوگ اپنے گھروں میں انتہائی پُرسکون زندگی بسر کر رہے ہوں۔ یا ان لوگوں کے خلاف جد و جہد کرنا جو پوشیدہ جگہوں اور خفیہ طریقوں سے (اَمنِ عالم کو تباہ کرنے کے لیے) فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں، خواہ (یہ کاوش) کسی کو دین سے منحرف کرنے کی صورت میں ہو یا جماعت سے باغی کرنے اور اطاعت کی زندگی سے رُوگردانی کرنے کے لیے ہو یا ان لوگوں کے خلاف ہو جو اللہ کے نور کو (ظلم و جبر سے) بجھانا چاہتے ہوں اور مسلمانوں کو جنہیں وہ اپنا دشمن قرار دیتے ہیں (اپنے وطن سے نکال کر) دور بھگانا چاہتے ہوں اور انہیں اپنے ہی گھروں سے بے گھر کرتے ہوں عہد شکنی کرتے ہوں اور باہمی اَمن و سلامتی کے معاہدات کی پاسداری نہ کرتے ہوں۔ غرضیکہ جہادِ اِنسانیت کے لیے اَذیت و تکلیف دہ ماحول اور ناپسندیدہ، ظالمانہ اور جابرانہ نظام کو ختم کرنے اور محارم کی حفاظت کرنے کا نام ہے۔ آگے جہاد کا لغوی معنی اور اقسام بیان کروں گا تا کہ جہاد کی اہمیت اور وضاحت ظاہر ہو جائے۔

جہاد کا لغوی معنی

لفظِ جہاد، جہد سے ماخوذ ہے۔ لفظ جہد جیم پر زبر کے ساتھ **جَہدٌ** اور پیش کے ساتھ **جُہدٌ** دونوں طرح مستعمل ہے۔ یہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے جس کے لغوی معنی سخت محنت و مشقت (diligent labour & hard work)، طاقت و اِستطاعت، کوشش اور جد و جہد کے ہیں۔ 1۔ امام ابن فارس (م 395ھ) لفظِ جہد کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جَہْدٌ الْجَیْمُ وَالْہَاءُ وَالدَّالُ أَصْلُہُ الْمَشَقَّۃُ، ثُمَّ یُحْمَلُ عَلَیْہِ مَا یُقَارِبُہُ.[6] لفظِ جہد (جیم، ھاء اور دال) کے معنی اَصلاً محنت و مشقت کے ہیں، پھر اس کا اطلاق اس کے قریب المعنی الفاظ پر بھی کیا جاتا ہے۔ اہل لغت نے جہاد کی جو تعریفیں کی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد میں دو معانی قدر مشترک ہے محنت و مشقت اور کوشش کرنا۔

جہاد کی کئی قسمیں ہیں:

1. جہاد بالمال، جہاد بالقلم، جہاد باللسان، جہاد بالنفس، اور جہاد بالسیف وغیرہ۔
2. جہاد بالمال یہ ہے کہ کوئی مسلمان اللہ کی راہ میں اور دین کی سربلندی کے لیے اپنا مال خرچ کرے۔
3. جہاد بالقلم یہ ہے کہ تحریر کے ذریعے دین کے غلبے کے لیے کوشش کی جائے۔
4. جہاد باللسان یہ ہے کہ زبان کے ذریعے اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت دین کا کام کیا جائے۔
5. جہاد بالنفس یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اور ان پر قابو پاتے ہوئے نفس کو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت پر لگایا جائے۔
6. جہاد بالسیف یہ ہے کہ تلوار یا اسلحے وغیرہ کے ذریعے باطل اور کفر کی طاقتوں کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اس جہاد کو قتال بھی کہتے ہیں۔ یہ دفاعی بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔

اردو زبان میں لفظ جہاد، جہاد کی تمام اقسام کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قتال کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جہاد و قتال اسلام میں ایک اہم رکن ہے اور یہ عمل تا قیامت جاری رہے گا اور اس میں اسلام اور مسلمانوں کی شان و شوکت اور وقار ہے اور اسکے چھوڑنے میں ذلت و پسپائی ہے۔ جہاد

6۔ احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغة، (سوریا: دار الفکر، ۲۰۰۹)، ا: ۴۸۶

کے ان سارے اقسام سے یہ معلوم ہوتا ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ ہو خواہ کہ جہاد کے کسی قسم سے بھی ہوں صرف اللہ کا نظام قائم ہو اور فتنہ فساد کا خاتمہ ہو ۔قرآن وحدیث میں جہاد وقتال کی فرضیت اور فضیلت کے بارے میں تفصیل موجود ہے اس کے متعلق سب سے پہلے قرآن آیات پیش کی جائیں گی اور اسکے بعد احادیث مبارکہ اور پھر اسلاف کے اقوال ذکر کیے جائیں گے۔

احادیث اور جہاد وقتال

1۔ قال سعيد بن المسيب: إن الجهاد فرض على كل مسلم في عينه أبدا۔ سعید ابن المسیّب فرماتے ہے: ہر مسلمان پر معین طور پر جہاد فرض کیا گیا ہے۔

2۔ قال ابن عطية عليه الإجماع أن الجهاد على كل أمة محمد صلى الله عليه وسلم فرض كفاية فإذا قام به من قام من المسلمين سقط عن الباقين ، إلا أن ينزل العدو بساحة الإسلام فهو حينئذ فرض عين [7] ابن عطیۃ فرماتے ہے کہ جہاد امت محمد ﷺ پر فرض کفایہ ہے اور یہ اجماع سے ثابت ہے۔ جب مسلمانوں کی تعداد اس کو ادا کرلے جو کافی ہو تو باقیوں سے ساقط ہو جاتا ہے الّا یہ کہ دشمن اسلامی سرزمین پر حملہ آور ہو تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔

ان دونوں اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد لازمی عمل ہے۔ لیکن اقدامی جہاد میں جہاد فرض کفایہ ہے اور دفاعی جہاد میں جہاد فرض عین ہوتا ہے اور یہ اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے.

3.هو الجهاد فريضة محكمة وامراماضيا الى يوم القيامة [8] جہاد ایک محکم فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

4۔ وَلَا يَجُوزُ إِخْلَاءُ سَنَةٍ عَنْ جِهَادٍ إِلَّا لِضَرُورَةٍ، بِأَنْ يَكُونَ فِي الْمُسْلِمِينَ ضَعْفٌ وَفِي الْعَدُوِّ كَثْرَةٌ، وَيَخَافُ مِنَ ابْتِدَائِهِمُ الِاسْتِئْصَالَ، أَوْ لِعُذْرٍ بِأَنْ يَعِزَّ الزَّادُ وَعَلَفُ الدَّوَابِّ فِي الطَّرِيقِ، فَيُؤَخِّرُ إِلَى زَوَالِ ذَلِكَ، أَوْ يَنْتَظِرُ لِحَاقَ مَدَدٍ، أَوْ يَتَوَقَّعُ إِسْلَامَ قَوْمٍ، فَيَسْتَمِيلُهُمْ بِتَرْكِ الْقِتَالِ، هَذَا مَا نَصَرَ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ، وَجَرَى عَلَيْهِ الْأَصْحَابُ - رَحِمَهُمُ اللَّهُ - وَقَالَ الْإِمَامُ: الْمُخْتَارُ عِنْدِي فِي هَذَا مَسْلَكُ الْأُصُولِيِّينَ، فَإِنَّهُمْ قَالُوا: الْجِهَادُ دَعْوَةٌ قَهْرِيَّةٌ، فَيَجِبُ إِقَامَتُهُ بِحَسَبِ الْإِمْكَانِ حَتَّى لَا يَبْقَى إِلَّا مُسْلِمٌ أَوْ مُسَالِمٌ، وَلَا يَخْتَصُّ بِمَرَّةٍ فِي السَّنَةِ، وَلَا يُعَطَّلُ إِذَا أَمْكَنَتِ الزِّيَادَةُ، وَمَا ذَكَرَهُ الْفُقَهَاءُ حَمَلُوهُ عَلَى الْعَادَةِ الْغَالِبَةِ، وَهِيَ أَنَّ الْأَمْوَالَ وَالْعَدَدَ لَا تَتَأَتَّى لِتَجْهِيزِ الْجُنُودِ فِي السَّنَةِ أَكْثَرَ مِنْ مَرَّةٍ۔ [9] یعنی بغیر جہاد کے کوئی سال خالی گزار دینا جائز نہیں ہے ہاں کوئی ضرورت شرعیہ ہو تو جائز ہے (مثلاً ان کے اسلام کی غالب توقع ہو یا مرکز سے مدد کا انتظار ہو وغیرہ) امام الحرمین جوینی رح کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اصولیین کا مذہب زیادہ صحیح ہے وہ فرماتے ہیں کہ جہاد ایک دعوت قہریہ ہے جس کو حتی الامکان قائم کرنا فرض ہے یہاں تک دنیا میں مسلمان یا جزیہ دینے والوں کے سوا کوئی باقی نہ رہے لہذا یہ سال میں ایک دفعہ جہاد ممکن ہو تو اس سے اعراض بھی نہ کیا جائے اور فقہا کرام رض نے جو سال میں ایک دفعہ کی قید لگائی ہے وہ عام عادت پر محمول ہے کیوں کہ عام طور پر سال میں ایک مرتبہ سے زائد اموال اور مطلوبہ مہیا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

5۔معلوم في اعتقاد جميع المسلمين أنه إذا خاف أهل الثغور من العدو ولم تكن فيهم مقاومة لهم فخافوا على بلادهم وأنفسهم وذراريهم أن الفرض على كافة الأمة أن ينفر إليهم من يكف عاديتهم عن المسلمين وهذا لا خلاف فيه بين الأمة إذا ليس من قول أحد من المسلمين إباحة القعود عنهم حين يستبيحوا دماء المسلمين وسبى ذراريهم۔ [10]

7۔ ابوعبداللہ القرطبّی،الجامع لأحكام القرآن(ریاض:دار عالم الكتب،۲۰۰۷)،۳:۳۸

8۔ وھبہ الزحیلی،الفقه الإسلامي وأدلته(سوریا:دار الفكر،۲۰۰۸)،۸: ۵۸۴

9۔ ابوزکریا محیی الدین،روضة الطالبين وعمدة المفتين(بیروت:المكتب الإسلامي،۲۰۱۹)،۱۰:۲۰۹

10۔ ابوبکر جصاص،أحكام القرآن،(بیروت:دار احياء التراث،۲۰۰۸)،۱:۲۹۵۱

اور تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ اگر دارالاسلام کی سرحدات کے باشندے دشمن سے خوف زدہ ہوں اور دشمن کے مقابلہ کی بھی ان میں طاقت نہیں ہے اور انہیں خوف ہے کہ دشمن ان کے شہروں جانوروں اور بچوں پر حملہ آور ہو جائے گا تو پوری امت پر یہ بات فرض ہے کہ ان کی مدد کیلئے اتنے لوگ نکلیں جو دشمن سے دفاع کیلئے کافی ہوں اور یہ ایسی بات ہے کہ پوری امت میں اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ اس وقت کسی بھی مسلمان کا یہ قول نہیں کہ ان کی مدد سے کنارہ کشی حلال ہے تاکہ کفر مسلمانوں کے خون اور ان کے بچوں کو قید کرنا حلال سمجھنے لگے۔

6۔اس طرح جزیہ کے بارے میں فقہاء کی کتب میں جزیہ کے متعلق مستقل ابواب موجود ہیں۔اور ساتھ ساتھ فقہ کے کتب میں جزیہ کا پورا طریقہ کار لکھا گیا ہے۔غامدی صاحب کے بارے میں ڈاکٹر مشتاق لکھتے ہیں:

> عصر حاضر میں جہاد پر لکھنے والے کئی اہل علم نے فقہائے کرام کے کام کو ان کے زمانے اور مخصوص حالات کا تجزیہ قرار دے کر اسے نظر انداز کیا ہے اور براہ راست قرآن و حدیث سے استدلال کی راہ اختیار کی ہے۔اس طریق کار کے اپنے کچھ فوائد ہوں گے لیکن فقہاء کے کام کو نظر انداز کرنا کسی طور پر مناسب نہیں ہے[11]۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث مبارکہ کی روشنی میں جہاد و قتال کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان لانے کے بعد جہاد افضل وارفع عمل ہے جہاد ایک عظیم عبادت ہے جہاد قرآن کی رو سے فرض ہے۔یہ دفاعی بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔جہاد اللہ کی راہ میں ان کافروں کے خلاف کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کے ملک پر حملہ کریں یا اسلام کے لیے خطرہ بن جائیں۔یا اسلام کی راہ میں اپنے کفر و شر اور ظلم وستم کی وجہ سے رکاوٹ بنیں۔غیر مسلموں کے کافرانہ اور ظالمانہ اقتدار کا خاتمہ کر کے ان کو ذمی بنانا بھی اس کا ایک حصہ ہے۔پہلے قریب کے کفار سے جان چھڑانا ہے پھر دور والوں سے ،یہ جہاد و قتال اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک دنیا میں کفر و شرک کے غلبے کا فتنہ باقی ہے۔اگر مسلمان جہاد نہیں کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قہر کے مستحق ہوں گے۔البتہ اقدامی جہاد کے لیے چند شرائط ہیں، مگر مدافعانہ جہاد کے لیے کوئی شرط نہیں وہ مجاہدین اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں جو اس کی راہ میں صف باندھ کر اس طرح لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔راہ جہاد میں جن قدموں پر گرد وغبار پڑ جائے ان قدموں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی" جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔اور اسلاف کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ:

> ما قبل فقہاء اسلام کی رائے ذکر کرنے کے بعد صراحتہً ثابت ہوتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔اور سال میں ایک دفعہ جہاد و قتال کے لیے جانا اور کفار پر حملہ کرنا ضروری ہے۔تاکہ مسلمان اپنے ممالک میں آسانی کیساتھ زندگی بسر کر سکیں۔جس طرح ما قبل یہ بات ذکر کی گی کہ دفعاعی جہاد کے لیے کوئی شرط نہیں اگر کفار مسلمانوں کے ممالک پر حملہ آور ہو جائیں تو باقی مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہوتا ہے لیکن غامدی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:"اس جہاد (وقتال) کے معاملے میں کسی اقدام کا حق بھی ان (مسلمانوں) کے نظم اجتماعی ہی کو حاصل ہے ان کے اندر کا کوئی فرد یا گروہ ہر گز یہ حق نہیں رکھتا کہ ان کی طرف سے اس طرح کے کسی اقدام کا فیصلہ کرے"[12]

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جہاد و قتال کے لیے جو کہ فرض کفایہ ہے بعض شرائط رکھی ہیں جن میں اسلامی حکومت کا قیام اور اس کی طرف سے اعلان جہاد شرط ہے۔مگر دفاعی جہاد میں کوئی شرط نہیں ہے جو کہ فرض عین ہے۔

اور یہ بات حقیقت ہے کہ اسلام میں نماز جمعہ۔زکوٰۃ کی وصولی امامت وخطبات وغیرہ تمام امور اصلا حکمرانوں کی ذمہ داریاں ہیں مگر جب سے اہل اسلام کے حکمران اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہوئے ہیں، تو مسلمان یہ دینی کام اپنے طور پر سرانجام دے رہے ہیں، اس طرح جہاد و قتال بھی ہے کہ

11۔ محمد مشتاق احمد، جہاد مزاحمت اور بغاوت (گوجرنوالہ: الشریعہ اکادمی، ۲۰۱۸)، ۵۸

12۔ غامدی، میزان، ۵۸۳

مسلم حکمرانوں نے اس عمل کو بھی دوسرے دینی فرائض کی طرح فراموش کر دیا ہے۔ تو اللہ تعالی کے بعض نیک بندے اسے اپنے طور پر منظم ہو کر کفار کے خلاف دفاعی جہاد کر رہے ہیں۔ اور یہ کام قیامت تک جاری رہے گا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ :- عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ لن یبرح ھذا الدین قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین ، حتی تقوم الساعة[13] "حضرت جابر بن سمرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ قیامت تک مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی خاطر جہاد کرتی رہے گی"

ڈاکٹر مشتاق احمد اپنی کتاب میں دفاعی اور اقدامی جہاد کے متعلق مفصل گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے جو جنگیں لڑی ہیں، انہیں بھی محض دفاعی جنگیں نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس وجہ سے کہ اسمیں بعض مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے حملے میں پہل کی ہے۔ (مثلاً غزوہ خیبر، غزوہ تبوک)[14]

مولانا وحید الدین اور تصور جہاد:

اسلام کی آفاقی اور ہمہ جہت تعلیمات کا دائرہِ کار انسانی زندگی کے اِنفرادی اور اجتماعی، ہر شعبہِ حیات کو محیط ہے۔ اِن تعلیمات کا مقصود ایک متحرک، مربوط، معتدل اور پُر اَمن اِنسانی معاشرے کا قیام ہے۔ اِسلام نے اِجتماعی اور ریاستی سطح پر قیامِ اَمن حقوقِ اِنسانی کی بحالی اور ظلم و جبر کے خاتمہ کے لیے جہاد کا تصور دیا ہے۔ جہاد دراَصل اِنفرادی زندگی سے لے کر قومی، ملی اور بین الاقوامی زندگی کی اصلاح کے لیے عملِ پیہم اور جہدِ مسلسل کا نام ہے۔ جہاد ایک ایسی پُر اَمن، تعمیری، سماجی، اَخلاقی اور روحانی جدوجہد کا نام ہے جو حق و صداقت اور اِنسانیت کی فلاح کے لیے انجام دی جاتی ہے۔ جہاد کے فضیلت اور اہمیت کے بارے میں قرآن وحدیث میں کافی دلائل موجود ہیں۔ ااور جس عمل سے معاشرے کا اصلاح ممکن ہے تو اسکے بارے میں ہمارے ہاں کچھ دانشور اور متجددین نے جہاد کے بارے میں اپنی ایک رائے قائم کی ہے جو کہ قرآن اور حدیث کے بالکل مخالف رائے ہے، ان دانشوروں اور متجددین کا مقصد یہ ہے کہ اس اہم عمل کو بدنام کرنے کے ناکام کوشش کرتے ہیں اور قرآن اور حدیث کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔ ان دانشوروں میں سے ایک مولانا وحید الدین خان ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> اسلام میں صرف دفاعی جنگ جائز ہے اور اس کا اختیار بھی صرف حاکم وقت کو حاصل ہوتا ہے، کسی غیر حکومتی گروہ کو مسلح جہاد کی ہر گز اجازت نہیں۔ اسلام میں اگرچہ دفاع کے لیے جنگ کی اجازت ہے، لیکن اسی کے ساتھ شدت سے اعراض کا حکم دیا گیا ہے، یعنی دفاع کے حالات پیدا ہونے کے باوجود آخری حد تک جنگ سے اعراض کی کوشش کی جائے گی۔ اس سلسلے میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صرف تین بار باقاعدہ جنگ ہوئی، یعنی بدر اور احد اور حنین کی جنگ۔ اس کے سوا جن کو غزوہ کہا جاتا ہے، وہ یا تو صرف پرامن مہمیں تھیں، مثلاً غزوہ تبوک (9 ہجری)، یا جنگ کی حالت پیدا ہونے کے باوجود جنگ سے اعراض مثلاً غزوہ خندق (5 ہجری) یا بعض واقعات کی صورت میں صرف جھڑپیں۔ غزوہ خیبر (7 ہجری) کی نوعیت اسی قسم کی ہے۔ جنگ کے باقاعدہ واقعات بھی اس طرح ہوئے کہ ان میں عملاً صرف آدھے دن کی لڑائی ہوئی، یعنی دوپہر کے بعد جنگ کا آغاز اور شام تک جنگ کا خاتمہ، جیسا کہ غزوہ بدر اور غزوہ احد اور غزوہ حنین کے موقع پر پیش آیا۔ اس لحاظ یہ کہنا درست ہوگا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے 23 سالہ دور نبوت میں مجموعی طور پر صرف ڈیڑھ دن کے لیے جنگ کی۔[15]

13۔ مسلم القشیری، صحیح مسلم، (بیروت: دار الجیل، ۲۰۰۹) ۶:۵۳

14۔ ڈاکٹر مشتاق، جہاد مزاحمت اور بغاوت، ۶۲

15۔ وحید الدین خان، ماہنامہ الرسالہ (دہلی: مارچ ۲۰۰۸ء) ۴-۵

خان صاحب کا خیال یہ بھی ہے کہ آج کے دور میں اقدامی جہاد منسوخ ہو چکا ہے۔ آگے خان صاحب لکھتے ہیں کہ : "قتال کی حیثیت گویا وائلنٹ ایکٹوازم (پر تشدد) کی ہے۔ اور اسکے مقابلے میں دوسرا طریق کار وہ ہے جس کو پیس فل ایکٹوازم (پرامن) کہا جاتا ہے۔ کہ کہنا صحیح ہوگا کہ آج کی دنیا میں وائلنٹ ایکٹوازم منسوخ ہو گیا ہے اور اس کی جگہ پیس فل ایکٹوازم نے لے لی ہے۔ اب پیس فل ایکٹوازم کے تحت ہر قوم کی سرگرمیوں کا حق انسان کو مل چکا ہے صرف ایک استثناکے ساتھ کہ وہ تشدد نہ کرے"[16]

مولانا وحید الدین خان کی مذکورہ بالا تحریرات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اقدامی جہاد منسوخ ہو چکا ہے اور اب صرف دفاعی جہاد جائز ہے اور دفاعی بھی اس حالت میں جائز ہے کہ اس پر دعوت کی پہلو غالب ہو اور دفاعی جہاد بھی اس صورت میں کہ ریاست کے طرف سے اجازت ہو اور ریاست کے تحت کیا جائے گا۔ یہ رائے قرآن اور حدیث کی روشنی میں کافی کمزور ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ،الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.[17] گھوڑوں کی پیشانیوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تک کے لیے خیر رکھ دی ہے۔ آخرت میں اجر و ثواب اور دنیا میں مال غنیمت۔

اس حدیث کو امام بخاری نے (الجہاد ماض مع البر والفاجر۔ قال: ومعناه أنه يجب على كل أحد[18] کے عنوان کے نیچے نقل کیا ہے۔ اور امام بخاری اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جہاد ایک دائمی عمل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں قیامت تک کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں مال غنیمت کا تزکرہ موجود ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر جہاد کا مطلب قتال ہوگا۔ اس وجہ سے کہ مال غنیمت کا لینا یا کافروں سے قبضہ کرنا بغیر جہاد کے ناممکن ہے۔ اور مال غنیمت لینے کے لیے کبھی اقدامی اور کبھی دفاعی جہاد ہوگا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: اعلَم أَن النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بعث بالخلافة الْعَامَّة، وَغَلَبَة دينه على سَائِر الْأَدْيَان لَا يتَحَقَّق إِلَّا بِالْجِهَادِ وإعداد آلاته، فَإِذا تركُوا الْجِهَاد، وَاتبعُوا أَذْنَاب الْبَقر أحَاط بهم الذل؛ وَغلب عَلَيْهِم أهل سَائِر الْأَدْيَان.[19] شاہ صاحب کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اسلامی نظام اور اسلامی حکومت پوری دنیا پر غالب ہو تو جہاد کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ اگر اسلام مغلوب ہو تو پھر جہاد کرنا ہو گا اور اسلام کو سارے ادیان باطلہ پر غالب کرنا مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر مشتاق صاحب اقدامی اور دفاعی جہاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ واضح ہے کہ دارالاسلام پر حملے کی صورت میں حملہ آور محاربین بن جاتے ہیں اور ان کے خلاف جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: [اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو، کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا[20] بعض مخصوص حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی جانب سے باقاعدہ حملے سے قبل پیش بندی کے اقدام کے طور پر بھی کاروائی کی تھی، جس کی مثالیں غزوۂ خیبر، غزوۂ بنی مصطلق اور غزوۂ تبوک ہیں۔[21]

وہ سارے دلائل جو ماقبل دونوں دانشوروں کے تجزیہ میں نقل کئے گئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کبھی "اقدامی اور کبھی دفاعی" دونوں صورت میں ہوگا۔ اور یہ بات غلو سے خالی نہیں ہو گی کہ کوئی کہے کہ جہاد و قتال کا منہج منسوخ ہو چکا ہے یہ نقطہ نظر متجددین کا ہے۔ لیکن یہ اہم

---

16 ماہنامہ الرسالہ، اکتوبر ۲۰۰۷ء ص ۱۵

17۔ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (قاهرة: دار الشعب، ۲۰۱۸)، ۴:۲۴

18۔ محمد ابن حجر العسقلانی، فتح الباري (بيروت: دار الفكر، ۱۹۹۹)، ۶:۵۶

19۔ شاہ ولی اللہ الدھلوی، حجة الله البالغة، (بيروت: دار الجيل، ۱۹۹۹)، ۲:۲۶۸

20۔ القرآن، ۲: ۱۹۰

21۔ الحاد ڈاٹ کام، جہاد کی علت یا فرضیت کی وجوہات، https://ilhaad.com/2018/04/jihaad-ki-farziat-ki-wujoohat/

فریضہ قیامت تک جاری رہیے گا اور مسلمان اپنے زمانے میں اپنے حالات کو دیکھ کر ان دونوں میں سے جس کے ضرورت پڑے گی اس کے مطابق عمل کرئے گا۔ جسطرح سیرت طیبہ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ غزوہ حنین، غزوہ تبوک۔ اور اسکے علاوہ خلافت راشدہ کے دور میں ایران اور مصر کے خلاف جنگ میں بھی جارحانہ جہاد کی مثالیں ملتی ہیں۔

تمام دلائل ذکر کرنے کے بعد یہ ذکر کیا جائے گا کہ جہاد کس مقصد یا علت کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ اقدامی جہاد اور دفاعی جہاد کی بھی وضاحت انشاء اللہ اس علت جہاد سے واضح ہو جائے گی۔ پھر اس شبہ کا بھی ازالہ ہو جائے گا کہ اقدامی جہاد منسوخ ہے یا دفاعی جہاد۔، اور جاوید احمد غامدی صاحب کا مؤقف کہ جہاد دو صورتوں میں جائز ہے، ایک ظلم وعدوان کے خلاف دوسرا اتمام حجت کے لیے 'علت جہاد کو ذکر کرنے کے بعد اس بات کی بھی وضاحت ہو جائے گی کہ جہاد کن وجوہات کے لیے فرض کیا گیا ہے۔ لیکن ان دونوں کے رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھی مرزا غلام قادیانی کی طرح جہاد کے بارے میں مختلف توجیہات پیش کرتے ہیں اور جہاد کا انکار کرتے ہیں جسطرح مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک شعر
:اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال ,دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال۔

علت جہاد

اسلامی ریاست پر امن شہریوں کے جان ومال اور عزت کی محافظ ہوتی ہے۔ فتنہ فساد، ظلم وبربریت اور ناانصافی اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے انسانی حقوق کے تحت صرف جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اللہ کے زمین پر اللہ کا نظام غالب اور قائم ہو اور ہر صورت میں امن بحال ہو۔ اور امن کی بحالی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہر مسلمان پر فرض ہیں کہ وہ اس کے لیے جان ومال اور جسمانی قربانی کے لیے کوشش کرئے۔ جہاد کے حکم کی صحیح نوعیت اور وسعت علم کے لیے اس حکم کی "علت "اور "غایت "کی تحقیق کی جائے تو اس حکم کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ فقہاء میں سے ایک مسلک یہ منقول ہیں کہ جہاد کی علت "کفر' ہے۔ اور یہ قول امام شافعی اور بعض ظاہریہ وحنابلہ سے مروی ہے "[22]۔ مطلب اس مسلک کے نزدیک جب تک دنیا میں کفر موجود ہو اس وقت تک قتال جاری رہے گا۔ لیکن یہ مسلک قرآن اور حدیث کی روشنی میں کافی کمزور ہے اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے صراحتا عورتوں، بچوں اور دیگر مقاتلین کے قتل سے منع فرمایا۔ اگر بالفرض قتال کی علت کفر لیا جائے تو اس استثناء کی کیا حثیت ہو گی؟ دوسرے یہ اگر کفر علت قتال ہو تو جنگ وقتال آخری کافر مرنے تک یا سارے کافر مسلمان ہونے تک قتال جاری رہیے گا تو اس مسلک کے مطابق جزیہ کا اصول بھی ختم ہو جائے گا اس وجہ سے کے کافر کے لیے دو راستہ ہیں اسلام قبول کرنا یا قتل ہونا۔

ان سارے اشکالات اور اعتراضات کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض 'لوگوں کی رائے یہ ہیں کہ قتال کی علت 'کفر 'نہیں بلکہ 'شوکت کفر' ہے۔ اس مسلک کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر مسلموں کو ان کے دین پر عمل کرنے کی اجازت ہو گی مگر انہیں یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ وہ منظم ریاست بنائے اور قتال اس وقت تک جاری رہیے گا جب تک کفر کی شوکت موجود ہو۔ مولانا 'مودودیؒ نے جہاد کی اس مخصوص قسم کو "مصلحانہ جہاد" قرار دیا ہے جو فتنہ اور فساد کے خاتمے کے لئے کیا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کافر 'انہ نظام حکومت ہی فتنہ 'وفساد کا بنیادی سبب ہے۔ جب اسلام اور مسلمانوں کی بالادستی قائم ہو جائے تو غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اسلامی ریاست کے زیر سایہ اپنے مذہب پر کریں انہیں اسلام قبول کرنے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے طرف اللہ رب العالمین کی وہ آیت مبارکہ ہے جس میں قتال کے حکم کو محاربے کے ساتھ مقید کر دیتی ہیں۔ مثلا سور بقرہ میں ارشاد باری تعالی ہے: ترجمہ (لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو بیشک اللہ زیادتی

22۔ ابوالولید محمد بن رشد، بداية االمجتهد ونهاية المقتصد، (ریاض: مکتبہ مصطفیٰ، ۱۹۹۵) ۱: ۳۷۱۔

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے)[23] جمہور فقہاء اسلام : جن میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالک، امام شافعیؒ اور حنابلہ کی اکثریت شامل ہیں۔ کی رائے یہ ہے کہ : قتال کی علت 'کفر' یا شوکت 'کفر نہیں بلکہ 'محاربہ' ہے[24]

اگر قتال کی علت کفر یا شوکت کفر کا خاتمہ مان لیا جائے تو پھر اس مسلک کا لازمی تقاضہ یہ ہو گا کہ مسلمان غیر مسلماں کیساتھ مسلسل بر سر جنگ رہیں گے، کافروں کیساتھ امن کا معاہدہ اول تو کیا نہیں جائے گا، ہاں اگر کسی مصلحت یا ضرورت کے تحت کیا گیا تو وہ بھی وقت معلومہ تک ہو گا۔ اس کی حثییت صرف جنگ بندی ہو گی۔ اس کے برعکس اگر جمہور فقہاء کرام کی رائے کے مطابق مان لیا جائے کہ قتال کی علت محاربہ ہے تو قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مخالفین کی جانب سے محاربہ پایا جائے۔ جب وہ محاربہ ترک کر کے امن کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہوں تو ان کے ساتھ جنگ نہیں کی جائے گی. جمہور کے قول کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ امن معاہدہ جائز ہے، چاہیے یہ معاہدہ موقت ہو یا غیر موقت ہو۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ :"والمقصود ان یامن المسلمون ویتمکنوا من القیام بمصالح دینھم وسنیاھم"[25] اسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمان امن سے رہیں اور ان کے لیے اپنے دین اور دنیا کے مصالح کا حصول ممکن ہو سکے"۔ اب رہا یہ بات کہ دین اسلام اور مسلمانوں کو کفر کے فتنہ سے طرح اطمینان حاصل ہو سکتا ہے؟ تو مسلمانوں کو اس اطمینان کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے: کہ کفار مسلمانوں کو جزیہ دیکھ کر ریاست کے تحت زندگی بسر کرے اگر جزیہ نہیں ہے کافروں کے پاس تو بھر غلامی کی صورت اختیار کرے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کافر مسلمانوں کیساتھ پر امن معاہدہ کریں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کافر مسلمانوں سے امن چاہیے تو اس صورت میں کافر مستامن تصور کیا جائے گا اور انکے خلاف جہاد و قتال نہیں کیا جائے گا۔ اور شریعۃ اسلامی میں قتال ان کافروں کے خلاف ہو گا جو مسلمانوں کو یا اسلام کے لیے رکاوٹ ہو یا مسلم معاشرہ میں کافروں کی وجہ سے امن نہ ہو یا اسلام کو ان کے طرف سے خطرہ ہو۔ البتہ اسلام میں جہاد و قتال کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ سب کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین بلند ہو اور حاکم اعلیٰ صرف اللہ ہو اور مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کر سکے اور اللہ کا عبادت محفوظ طریقے سے کریں۔ اگر مسلمان محفوظ نہ ہو تو دنیا کے سارے قوم اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ اپنی جان و مال اور عزت کی حفاظت کے لیے جنگ کرنا انسان کا فطری حق ہے

جاوید احمد غامدی صاحب اور مولانا وحید الدین خان کا غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے نقطہ نظر کا تجزیہ

محترم جاوید احمد غامدی صاحب ہمیشہ من گھڑت افکار پیش کرتے ہیں اور اسلام کے بارے میں اپنے من مانے افکار و نظریات لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جسطرح غامدی صاحب نے غیر مسلموں کیساتھ تعلقات اور غیر مسلموں کو کافر قرار دینے کے بارے میں اپنی رائے قائم کی ہے۔ محترم غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ :"کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے۔ یہ حثییت اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اب ہمارا کام یہی ہے کہ ہم مختلف گروہوں کے عمل وعقیدہ کی غلطی واضح کریں اور جو لوگ بنی کریم ﷺ کی نبوت کو نہیں مانتے انہیں غیر مسلم سمجھیں اور ان کے کفر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں"[26]

23۔ القرآن: ۲:۱۹۰

24۔ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الھمام، فتح القدیر، (ریاض: دار الکتاب، ۲۰۰۷)، ۴:۲۹۱

25۔ ابو بکر محمد بن ابی سہل، المبسوط، (بیروت: دار الکتب العالمیہ، ۲۰۰۹) ۴:۱۰

26۔ المورد، ماہنامہ اشراق، دسمبر ۲۰۰۰ء، ۵۴-۵۵

غامدی صاحب کی یہ رائے بالکل غلط اور بے اصل ہے۔خلفائے راشدین سے لیکر آج تک ایسے لوگوں کی ہمیشہ تکفیر کی گئی ہے جو ضروریات دین میں کسی ایک امر کا بھی انکار کرتے رہے ہیں۔سیدنا ابو بکر رض نے اپنے دور خلافت میں مدعیان نبوت اور مانعین زکوۃ کو کافر قرار دے کر ان کے خلاف جہاد کیا تھا۔جب بھی امت مسلمہ میں اس بات کی ضرورت پیش آئی ہے کہ جس نے بھی ضروریات دین میں سے کسی ایک امر سے بھی انکار کیا ہے تو اہل حق نے انکو کافر قرار دیا ہے جسطرح مرزا قادیانی پر تمام اھل حق نے اتفاق کیا ہے کہ مرزا قادیانی اور اسکے مبتدعین کافر ہیں۔لیکن غامدی صاحب کا یہ قول "انہیں غیر مسلم سمجھیں اور ان کے کفر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں" لیکن ڈاکٹر محمد زبیر غیر مسلم اور کافر میں فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔پس کافر وہ ہے کہ جس کے سامنے حق بات پہنچ جائے اور وہ اس کی تصدیق نہ کرے۔اور حق بات سے مراد دو چیزیں ہیں؛ایک یہ کہ کسی شخص تک یہ بات پہنچ جائے،کسی بھی ذریعے سے کہ محمد ، اللہ کے رسول ہیں اور وہ ان کے رسول ہونے کی تصدیق نہ کرے تو وہ کافر ہے۔یا کسی تک یہ بات پہنچ جائے،کسی بھی ذریعے سے کہ قرآن مجید،اللہ کی کتاب ہے جو محمد رسول اللہ پر نازل ہوئی ہے اور وہ اس کے اللہ کی کتاب ہونے کی تصدیق نہ کرے تو یہ بھی کافر ہے۔اسلام کی دعوت پہنچنے سے مراد یہی ہے اور جس تک یہ دعوت پہنچ گئی اور اس نے تصدیق نہ کی تو وہ کافر ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول کا ارشاد ہے کہ اللہ کی قسم!کہ جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میری امت میں جس یہودی اور عیسائی نے میرے بارے میں سن لیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں،اور پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ جہنمی ہے۔ اس روایت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس تک اللہ کے رسول کی رسالت کی خبر نہ پہنچی ہو،تو وہ کافر نہیں ہے۔جہاں تک غیر مسلم کی اصطلاح کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمان نہیں ہیں۔ان میں کافر بھی شامل ہیں اور کافروں کے علاوہ ایک اور جماعت ان لوگوں کی کہ جن تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔پس غیر مسلم ایک وسیع اصطلاح ہے کہ جو کفار کو بھی شامل ہے اور ان لوگوں کو بھی کہ جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی لہذا وہ مسلمان بھی نہیں ہے اور کافر بھی نہیں ہیں کیونکہ حجت،رسولوں کی بعثت اور دعوت کے پہنچنے کے بعد ہی قائم ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کے بارے روایات میں آتا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت والے دن امتحان لیں گے اور جو ان میں سے کامیاب ہوں گے،وہ جنت میں داخل ہوں گے[27]۔

جہاں تک کافر کو غیر مسلم کہنے کا مسئلہ ہے تو اگر مقصود یہ ہو کہ یہودیوں،عیسائیوں،ہندوؤں کی تکفیر نہیں کرنی تو اس صورت میں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ جس کی تکفیر اللہ اور اس کے رسول نے کی ہو تو ان کی تکفیر نہ کرنا بھی کفر اور ضلالت ہے۔اور اگر کافر کو غیر مسلم کہنے میں مقصود یہ ہو کہ انہیں دعوت کے عمل کے ذریعے اسلام کے قریب کر سکے یا ان کے دلوں سے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کے بارے بغض اور نفرت کم کر سکے تو اس صورت میں ایسا کہنا جائز بلکہ مستحسن ہوگا۔ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ غیر مسلم میں کافر بھی شامل ہیں لہذا غیر مسلم ہونے کا مطلب ہر صورت میں یہ نہیں ہے کہ وہ کافر نہیں ہے۔البتہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جس تک اللہ کے رسول کے آخری نبی ہونے کی دعوت پہنچ چکی ہو اور وہ آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار کردے تو وہ کافر ہے۔اور جس تک اللہ کے رسول کے آخری نبی ہونے کی دعوت ہی نہ پہنچی ہو تو وہ غیر مسلم ہے۔باقی کافر کو غیر مسلم کہنے کی ایک وجہ اوپر بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے عرف میں یہ تقریباً ایک گالی بن چکا ہے اگرچہ یہ شرع میں گالی نہیں ہے لہذا ہمارے آئین میں شاید اس وجہ سے بھی غیر مسلم کے لفظ کو اختیار کیا گیا ہے۔واللہ اعلم۔

اور اس کے بعد غامدی صاحب سے ایک انٹرویو میں سوال کیا گیا: کہ جنت میں صرف مسلمان جائیں گے یا کوئی نیک غیر مسلم بھی جنت میں جاسکتا ہے؟ غامدی صاحب کا جواب: جنت میں جانے کا معیار قرآن میں بیان ہے،خدا اور آخرت پر یقین،اچھے اعمال کرنا اور جرائم سے دور رہنا

27۔ حافظ محمد زبیر،مکالمہ،(لاہور: دار الفکر الاسلامی،۲۰۲۰)،۳۳۔

۔خواہ اب وہ مسلمان ہو، یہودی ہو، یا کسی بھی مذہب کو ماننے والا جنت کا حق دار ہے"[28] جناب جاوید احمد غامدی صاحب استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ [29] بیشک جو لوگ ایمان لاچکے ہیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاری اور صابی (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے سو ان (سب) کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لیے ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے۔ سورہ البقرہ کی اس آیت سے جدت پسند اور ان کی دیکھا دیکھی کچھ کم علم لوگ یہ استدلال کرتے نظر آرہے ہیں کہ یہود و نصاری بھی جنت میں جائیں گے۔ حالانکہ اسی سورت میں جابجا یہود و نصاری کو دعوت اسلام اور قرآن کے انکار پر انہیں وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس آیت سے یہی مراد تھی جو انہوں نے نکالی تو اس سے پہلے اور بعد میں یہود کو اسلام لانے کی دعوت دینے کی ضرورت کیا تھی؟ سورۃ البقرہ میں جو نصاری کے ساتھ حضور ﷺ کے مناظروں اور مباہلوں کے چیلنجز کا ذکر ہے انکا مقصد کیا ہے۔ 1۔ ارشاد باری تعالی ہے: وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ جب اللہ کے نزدیک کوئی دین قابل قبول نہیں ہے تو پھر یہ لوگ کیسے جنت میں جائنگے اس نے تو اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ 2۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ اس آیت کی تفسیر میں سید ابو الاعلی مودودی رحمۃ اللہ فرماتے ہے: یہاں کفر سے مراد محمد ﷺ کو ماننے سے انکار کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے اس رسول کے آجانے کے بعد اس کو نہیں مانا جس کا وجود خود ایک دلیل روشن ہے اور جو بالکل درست تحریروں پر مشتمل پاک صحیفے ان کو پڑھ کر سنا رہا ہے، ان کا انجام وہ ہے جو آگے بیان کیا جارہا ہے۔ وہ یقیناً جہنّم کی آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ لوگ بد ترینِ خلائق ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہو اور اسطرح حدیث رسول ﷺ میں یہود و نصاری کے بارے میں ذکر ہیں: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ، لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّار "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! میری اس امت میں جو بھی میری بابت سن لے، وہ یہودی ہو یا عیسائی، پھر وہ اس چیز پر ایمان نہ لائے جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اور اس کی (اسی حالت میں) موت واقع ہو جائے تو وہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔"

اس لئے جو لوگ آج اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر قائم ہیں یا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے علاوہ کسی اور نبی کی شریعت پر قائم ہونے کے دعویدار ہیں تو ان کے بارے میں ہم مسلمانوں کا یہ پختہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ وہ کافر ہیں اور اگر اسی پر ان کی موت آتی ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنمی ہیں۔ کیونکہ جو شخص مشرکوں اور کافروں کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ کافر ہیں مثلاً وہ یہود و نصاری یا مجوسیوں یا بت پرستوں یا کیمونسٹوں کو کافر نہ کہے تو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہو جاتا ہے۔ یا وہ ان کے کفر میں شک کا اظہار کرے مثلاً وہ یوں کہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہودی حق پر ہوں! یا معلوم نہیں کہ وہ کافر ہیں یا نہیں! یا وہ یہ کہے کہ ہر انسان کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام میں سے جونسا دین چاہے اختیار کرلے کیونکہ یہ سب کے سب آسمانی دین ہیں! جیسا کہ بعض لوگ ان تینوں ادیان کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ تو جو آدمی اس طرح کا اعتقاد رکھے وہ یقینا کافر ہے۔ لہذا اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ یہود و نصاری، مجوس، بت پرستوں اور ان کے علاوہ دیگر تمام کفار کے بارے میں پختہ اعتقاد رکھے کہ وہ یقینا کافر ہیں اور دینِ باطل پر قائم ہیں۔ اور وہ ان سے اور ان کے دین سے براءت کا اظہار

28۔ "سالانہ مجلہ "مصعبی سال ۲۰۰۹۔۲۰۰۸، ص ۱۵ لاہور

29۔ القرآن ۲:۶۲

کرے اور اللہ کی رضا کی خاطر ان سے بغض اور عداوت رکھے۔ اس حدیث میں واضح طور بیان ہو گیا کہ جنت جانے کے لیے محمد ﷺ پر ایمان لانا شرط ہے اگر ایک کافر کفر کی حالت میں وفات ہو گئے تو وہ جہنمی ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ہو گا۔ عن أبي هريرة -رضي الله عنه- مرفوعاً: «كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أَبَى». قيل: ومَنْ يَأْبَى يا رسول الله؟ قال: «من أطاعني دخل الجنة، ومن عصاني فقد أَبَى» ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے، ماسوا ان کے جنھوں نے انکار کیا۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ! انکار کرنے والے کون ہوں گے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار کیا (یعنی وہ جنت میں نہیں جائے گا)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی امّت کو خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا: ''میری امّت کے تمام افراد جنّت میں جائیں گے'' یہاں امّت سے مراد امّت اجابت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے استثنا کرتے ہوئے فرمایا: ''ماسوا اس کے، جس نے انکار کیا'' یعنی جس نے اس اطاعت گزاری کو ترک کر کے نافرمانی کی، جو جنّت میں جانے کا سبب ہے۔ کیوں کہ جس نے کسی چیز کے سبب کو ترک کر دیتا ہے، جس کے بغیر اس کا وجود ممکن نہیں، در حقیقت وہ انکار کرنے والا ہی ہے۔ یہاں استثنا در اصل تہدید پر مبنی ہے۔ یا پھر آپ ﷺ نے امت سے مراد امتِ دعوت لی ہے اور انکار کرنے والے سے مراد وہ ہوں گے، جنھوں نے دین اسلام کو قبول نہ کیا۔ اس پر صحابۂ کرام نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ! انکار کرنے والا کون ہے ؟ آپ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی'' یعنی جو کچھ میں لے کر آیا ہوں، اسے مان لیا اور اس کا تابع ہو گیا، (تو وہ جنت میں جائے گا) اور ''جس نے میری نافرمانی کی'' بایں طور پر کہ اس نے تصدیق نہ کی یا پھر ممنوعہ کاموں کا ارتکاب کیا تو ''اس نے انکار کیا'' یعنی اسے اس کے انکار کی وجہ سے برے انجام کا سامنا ہو گا۔ چنانچہ اس فرمان کی رو سے اگر انکار کرنے والا کافر ہے، تو وہ بالکل جنت نہیں جائے گا۔ اور اگر مسلمان ہے، تو وہ جہنم کی آگ سے پاک ہو جانے کے بعد جنّت جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے اور سرے سے عذاب ہی نہ دیا جائے، اگرچہ اس نے ہر طرح کے گناہ ہی کیوں نہ کر رکھے ہوں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَقَالَ القَاضِي عِيَاض: انْعَقَد الْإِجْمَاع على أَن الْكفَّار لَا تنفعهم أَعْمَالهم وَلَا يثابون عَلَيْهَا بنعيم وَلَا تَخْفِيف عَذَاب، وَلَكِن بَعضهم أَشد عذَابا بِحَسب جرائمهم.[30] "قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ: "اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ کفار کو انکے اعمال فائدہ نہیں دینگے، اور نہ ہی ان اعمال پر انہیں کسی قسم کا ثواب ملے گا، اور نہ ہی انکی وجہ سے عذاب میں کمی کی جائے گی، اگرچہ کچھ کفار کو دیگر کفار کی بہ نسبت کم یا زیادہ عذاب ملے گا"

مولانا وحید الدین خان کا غیر مسلموں کیساتھ تعلقات کا ایک تجزیہ:

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، جو پوری دنیا کو درس انسانیت اور مساوات کا پیغام دیتا ہے۔ یہ وہ درس ہے جو چودہ سو سال بعد بھی اپنی اہمیت اور افادیت کی خوشبو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ قرآنی پیغامات اور رسول اکرمؐ کی ہدایات نہ صرف مسلمانوں کے لئے سرچشمہ حیات ہیں بلکہ بنی نوع انسانی کے لئے بھی فلاح و بہبود کی ضامن ہیں۔ اسلام کی اسی افادیت کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام کی طرف نہ صرف رخ کر رہے ہیں بلکہ بڑی تعداد میں مشرف بہ اسلام بھی ہو رہے ہیں۔ اسلام کی یہی عظمت اسلام دشمنوں کی حزیمت کا سبب بنتی جا رہی ہے لہذا اسلام، قرآن اور سنت رسولؐ ہر دور میں نشانے پر رہے ہیں۔ اسلام کو ختم کرنے کے لئے نہ جانے کتنی کوششیں ہوئیں، مسلمانوں کو بد دل اور مطعون کرنے کی نہ جانے کتنی سازشیں ہوئیں مگر تمام تر مصائب و مسائل اور پر آشوب دور کے باوجود اسلام کا پرچم بلند ہے اور مسلمان دنیا کے ہر گوشے میں اپنے دین کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں۔ یہ قدرت کا کرشمہ ہی ہے کہ مسلم دور اقتدار میں اسلام کے فروغ میں اتنی ترقی نہیں ہوئی جتنا نامساعد حالات میں اسلام کو

30۔ بدرالدین عینی، عمدة القاري شرح صحيح البخاري (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ٢٠١٦) ٢٠:٩٥

فروغ حاصل ہوا۔خاص کر مغرب میں اسلام کے فروغ کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں کے عوام مطالعہ اور تحقیق کی روشنی، قرآنی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ جس طریقے سے اللہ رب العالمین نے دین کو اپنے مخلوقات کے سامنے واضح طور پر پیش کیا ہے اور پھر داعیان اسلام اس دین کی سربلندی اور اشاعت کے لیے قربانیاں دیتے ہیں اور نشر و اشاعت کے لیے کوشش کرتے ہیں تو اس طرح دین و ملت کے نام پر مختلف لوگ موجود ہیں جو کہ دین کو مشتبہ اور مسلمانوں کے اذہان کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے میں اپنا سارا قوت، علم اور مال صرف کرنے میں آگے آگے ہوتے ہیں۔ان گمراہ کن عقائد والے فرقوں کی تاریخ دیکھا جائے تو بے شمار مثالیں دیکھنے کو ملیں گے، جس طرح دور حاضر میں پیدا ہونے والا ایک دانشور، عالم دین مولانا وحید الدین خان ہے۔ جس نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں اپنے طرف سے ایک رائے قائم کیا ہیں اور غیر دین لوگوں کا آلہ کار بن گیا ہیں اور مولانا نے کافی کوشش کی ہیں اس بات کا کہ اس دینا میں کسی کو کافر قرار دینا یہ اللہ کا کام ہے اور عیسائی مذہب کے دفاع میں ہر وقت لگے ہوتے تھے۔اور اسطرح منکرین ختم نبوت اور مرتد کے بارے میں ایک منگرٹ اور مبہم رائے کا اظہار کیا ہے۔ جو کہ اہلسنت والجماعت کے مخالف ہیں۔

خان صاحب کافروں کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: کون کافر ہے اور کون کافر نہیں ہے، یہ فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے، انسان کا کام نہیں۔ موجودہ زمانے میں تکفیر کا جو طریقہ رائج ہوا ہے، میں اس کو غلط سمجھتا ہوں۔ اہل ایمان کی ذمے داری صرف تبلیغ ہے، تکفیر ان کی ذمے داری نہیں"[31] خان صاحب کا بھی غامدی صاحب کی طرح رائے ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اب کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی کو کافر قرار دے۔اس پر ما قبل باب نمبر 2 میں مفصل بحث کی گئی ہیں۔ خان صاحب سورۃ الصف کی آیت 26 کی تشریح و توضیح میں لکھتے ہیں: "اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ تاریخ میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوں گی کہ محمدی ماڈل زمانی حالات کی نسبت سے جزئی طور پر، قابل انطباق نہ رہے گا، اس کی بجائے مسیحی ماڈل، جزئی طور پر، قابل انطباق بن جائے گا۔[32]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "اس کے مقابلے میں مسیح کے ماڈل میں آغاز میں بھی دعوت ہے اور انجام میں بھی دعوت۔ مسیح کے دعوتی ماڈل میں ہجرت اور جہاد (بمعنی قتال) کے واقعات موجود نہیں۔ محمدی ماڈل میں ہجرت اور جنگ اس کے واضح اجزا کے طور پر شامل ہیں، لیکن اب حالات نے ہجرت اور جنگ کو نا قابل عمل بنا دیا ہے۔[33] خان صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "مسلمانوں کی نفسیات اور مسیحی لوگوں کی نفسیات کے تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ بعد کے زمانے میں مسلموں کی جو سیاسی تاریخ بنی اور ان کے یہاں جو لٹیچر تیار ہوا، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا ذہن یہ بنا کہ دشمن لڑو۔ اس کے برعکس، مسیحی لوگوں کا ذہن ان کی روایات کے مطابق، یہ بنا کہ دشمن سے محبت کرو: یہی نفسیات دونوں قوموں کے اند عمومی طور پر پائی جاتی ہے۔[34] آگے خان صاحب لکھتے ہیں: "8 اکتوبر 2001ء کو امریکا نے افغانستان کے خلاف جو کاروائی کی وہ انٹرنیشنل نارم کے مطابق درست تھی، کیونکہ وہ ڈیفنس کے طور پر کی گئی۔ اس کے باوجود ایسا ہوا کہ ساری دنیا میں امریکا کو برا کہا جانے لگا، امریکا کے خلاف لوگوں کی نفرت بہت زیادہ بڑھ گئی۔[35]

مذکورہ نظریے سے مجموعی طور پر جو فکر بنتا ہے وہ یہ کہ خان صاحب عیسائی مذہب کے نمائندہ بنے ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں کے اندر عیسائی مذہب پھیلانے کی ناکام کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ اور اسلام کو بدنام کرنے میں انہوں نے حتی الوسع کوشش کی ہیں لیکن وہ اس معاملہ

31۔ ماہنامہ الرسالہ، جون ۲۰۰۷ء، ۴۰

32۔ ماہنامہ الرسالہ: جون ۲۰۰۷، ۳

33۔ ماہنامہ الرسالہ: جون ۲۰۰۷، ۳

34 ماہنامہ الرسالہ: جون ۲۰۰۷، ۲۹

35۔ ماہنامہ الرسالہ: جون ۲۰۰۷، ۳

میں ناکام ہیں۔اور دین اسلام پورے دنیا میں غالب رہیے گا۔ان شاءاللہ آگے دین اسلام صحیح مذہب کو ثابت کرنے کے لیے قرآن اور حدیث سے دلائل پیش کیا جائے گا۔

دین اسلام کی تعریف

اسلام عربی زبان کا لفظ ہے جو س ل م سے نکلا ہے جس کے معنی سلامتی،اطاعت کرنا، سر تعلیم خم کرنا، ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہونا،اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کرنا ہے۔دین اسلام کی کی تعریف Definition یوں کی جا سکتی ہے ''اسلام اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ کی طرف خدا کا بھیجا ہوا دین یعنی نظام زندگی ہے جس کا آئین قرآن حکیم ہے،اُس پر مکمل ایمان اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کے مطابق زندگی بسر کرنا اسلام ہے یا دوسرے الفاظ میں اسلام مسلمانوں کا دین یا نظام زندگی ہے جس میں اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے اس کی حاکمیت اعلیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور حضرت محمد مصطفیٰ کو آخری نبی ماننا۔اسلام کا آئین قرآن ہے،اس پر مکمل ایمان اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا اسلام ہے''۔

قرآن اور اسلام:

1۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [36] ''بے شک دین (برحق) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''ہر نبی کا دین اسلام ہی تھا لہٰذا اسلام کے سوا کوئی اور دین بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں مقبول نہیں لیکن اب اسلام سے مراد وہ دین ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ لائے، چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کیلئے رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کو آخری نبی بنایا، تو اب اگر کوئی کسی دوسرے آسمانی دین کی پیروی کرتا بھی ہو لیکن چونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اِس قطعی اور حتمی دین اور نبی کو مکمل طور پر نہیں مان رہا لہٰذا اس کا آسمانی دین پر عمل بھی مردود ہے۔ یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار جو اپنے دین کو افضل و مقبول کہتے ہیں اس آیت میں ان کے دعویٰ کو باطل فرمایا گیا ہے۔

{وَ مَا اخْتَلَفَ: اور انہوں نے اختلاف نہ کیا۔} یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں اتری جنہوں نے اسلام کو چھوڑا اور سیدُالانبیاء، محمد مصطفیٰ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کی نبوت میں اختلاف کیا اور یہ اختلاف بھی علم کے بعد کیا کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں سیدِ دوعالم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کی نعت وصفت دیکھ چکے تھے اور انہوں نے پہچان لیا تھا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی کتبِ الٰہیہ میں خبریں دی گئی ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ماننے سے انکار کیا اور اس انکار و اختلاف کا سبب ان کا حسد اور دنیاوی منافع کی طمع تھی۔2۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ [37] اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا: اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا۔} اللہ تعالیٰ نے واضح طور قرآن پاک میں کئی جگہ فرمادیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے اور اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اِس زمانے میں معتبر نہیں۔اسلام کے علاوہ کوئی کسی دین کی اخلاقی باتوں پر جتنا چاہے عمل کرلے جب تک مکمل طور پر بطورِ عقیدہ اسلام کو اختیار نہیں کرے گا اس کا کوئی عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں اور اب اسلام سے مراد وہ دین ہے جسے حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لے کر آئے۔

3۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [38]

36۔ القرآن ۳:۱۹

37۔ القرآن ۳:۸۵

38۔ القرآن ۵:۳

آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ان آیات سے ثابت ہوا کہ دین اسلام ہی مکمل اور اللہ تعالی کا پسندیدہ دین ہے، نیز دوسرے تمام ادیان و مذاہب نامکمل، منسوخ یا باطل ہیں۔خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی شریعت پر ایمان لانا قیامت تک آنے والے تمام لوگوں پر فرض ہے۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک آنے والے تمام عرب و عجم کیلئے ہے۔

4- جیسا کہ ارشاد باری ہے:﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾[39]

5- نیز فرمایا:﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُوْنَ ۔[40]

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔مگر لوگوں کی اکثریت بے علم ہے

اسی لئے اللہ تعالی نے تمام لوگوں کو' چاہے وہ یہودی ہوں یا نصرانی، مجوسی ہوں یا بت پرست' سب کے سب کو حکم دیا ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔اور انھیں خبر دار کیا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہی ان کیلئے بہتر ہے ورنہ انھیں اللہ تعالی کے عذاب کا سامنا کرنا ہو گا کیونکہ کائنات کی ہر چیز پر اس کو مکمل اختیار اور قبضہ حاصل ہے۔

6-ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآئَ كُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَآمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْوَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾[41] اے لوگو! رسول تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے (دین) حق لے کر آچکا، لہذا تم ایمان لے آؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔اور اگر تم انکار کرو گے (تو پھر یاد رکھو کہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کیلئے ہے۔"انہی آیات کے پیش نظر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ان کے نزدیک ثابت شدہ اور یقینی عقائد میں سے ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے سوا اب کوئی چارۂ کار نہیں۔ہر حال میں ان پر اور ان کی شریعت پر ایمان لانا لازم ہے۔اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شریعت محمدیہ کو چھوڑ کر کسی اور نبی کی شریعت کی پیروی کرنا قطعا درست نہیں ہے۔اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے شخص کو جہنمی قرار دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے علاوہ کسی اور شریعت کا پیروکار ہو۔جس طرح خان صاحب نے دین اسلام کے بارے میں کہا ہیں کہ دین اسلام میں ہر وقت جہاد و قتال اور ہجرت ہے اسکے برعکس عیسائی مذہب ہے جو کہ اسمیں ابتداء دعوت اور انتہا میں بھی دعوت۔محترم کا کوشش ہے کہ دین اسلام کو بدنام کرئے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین اسلام میں سختیاں اور مشکلات ہیں لیکن اسکا یہ بات بالکل بے بنیاد اور بے دلیل ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ﴾"اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔یہ تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔

39۔ القرآن ۱۵۸:۸

40۔ القرآن ۲۸:۳۴

41۔ القرآن ۱۷:۴

تجاویز وسفارشات

دور حاضر میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب اور مولانا وحید الدین خاں کی افکار و نظریات کا تعلق تجدد پسند گروہ سے ہے۔ جو کہ مغرب سے مرعوب و متاثر ہو کر دین اسلام کا جدید ایڈیشن تیار کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے الفاظ کے معانی اور دینی اصطلاحات کے مفاہیم بدلنے کی ناپاک جسارت کی ہیں۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ وہ بھیڑ کے روپ میں ایک بھیڑیا ہے۔

جو لوگ بے عملی کا شکار ہوتے ہیں وہ دین اور دینی احکام کا ذکر آنے پر کسی آسانی کی تلاش میں رہتے ہیں اور کسی ایسی پناہ کی تلاش میں ہوتے ہیں جو اس احساس سے ان کی جان چھڑا دے۔ ایسے میں یہ نام نہاد سکالرز ان کے کام آتے ہیں اور خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں۔ دین اور اہل دین سے دوری کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ نفس اور شیطان انسان پر حاوی ہو کر اسے خواہش پرست اور آزادی پسند بنا دیتے ہیں۔ ایسا انسان جس چیز کو اپنی غرض، خواہش اور مشن کے لیے سد راہ اور رکاوٹ خیال کرتا ہے، غلط تاویلات اور فاسد خیالات کے ذریعہ اس کا انکار کر دیتا ہے اور یہی کوشش کرتے ہیں کہ غیروں کو کامیاب بناتے ہے اور لوگوں میں استشراق اور جدت پسندی پھیلانے کے کوشش کرتے ہیں۔ ہم خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں تادم مرگ ایمان کامل رکھے، ہدایت کو ہمارا مقدر بنائے، سرکشوں، بدمذہبوں کی صحبتوں اور ان کے مکر وفریب سے ہمیشہ بچائے رکھے۔ اگر ہدایت ان کا مقدر ہے تو جلد انہیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرمادے ورنہ انہیں ان کے انجام بد تک پہنچائے۔ آمین۔

علماء کرام سے گزارش:

علماء کرام سے یہ گزارش کرتے ہیں کہ انھوں نے جس طرح ہر دور میں باطل فتنوں کی سرکوبی فرمائی ہے ایسے ہی اب غامدیت اور مولانا وحید الدین کے اس نوزائیدہ فتنے کا بھی تعاقب کر کے اس کا قلع قمع فرمائیں جو ہمارے ہاں ٹی وی اسکرین، چند سرمایہ داروں کی نظر کرم اور سرکاری دربار کی سرپرستی میں پھیلایا جا رہا ہے۔ یہ فتنہ آستین کے سانپ کی طرح نہایت خطرناک ہے، کیونکہ دوسرے فتنے تو ایک سادہ لوح مسلمان بھی پہچان لیتا ہے۔ اور انھیں فتنہ سمجھ کر ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اس فتنے کی پہچان ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اصطلاحات تو ہماری (اہل سنت کی) استعمال کرتے ہیں مگر مطلب اپنا (خود ساختہ) بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے عام مسلمان دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اس لیے علمائے کرام کو اس فتنے کے خلاف سنجیدگی سے کام کرنا چاہیے تاکہ عام مسلمان دھوکہ کھانے سے بچ سکے۔

عوام الناس سے گزارش:

جس طرح ذمہ داری علماء کرام کی ہے اتنی ہی ذمہ داری عوام الناس کی بنتی ہے۔ کہ ہمارے معاشرے میں سنی سنائی بات کو جس طرح آگے بڑھانے کا رواج چل نکلا ہے یہ سراسر غلط ہے بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ حسب توفیق ہر بات کی جانچ پڑتال اور تحقیق کی ضرورت ہے اور اتباع صرف "العلم" کی کرنا ہے وہ علم جو قرآن وسنت کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اہل علم اور اہل حق سے تعلق میں رہیے اور اہل علم کی مجالس بہترین مجالس ہیں، کتب دینیہ کا مطالعہ کرنا اور اس پر عمل کرنا، یہی دفاع اسلام کا صحیح راستہ ہے اور ساتھ ساتھ عمل صالح میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کرنا ہمیشہ کے لیے عمل صالح کے لیے آگے بڑھنا۔ اور مسئلوں کے بارے میں علماء کے طرف رجوع کرنا۔